مولانا نسیم احمد فریدی امروہوی

سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی رحمہ اللہ

مختصر حالات ○ ملفوظات ○ غیر مطبوعہ علمی وادبی تبرکات

آج میرا قلم ایک ایسی عظیم شخصیت پر کچھ لکھنے کے لیے آمادہ ہے جس کا سکۂ علم و فضل چار دانگ عالم میں چل رہا ہے۔ جو سراپا مرقع تحقیق اور مجسم مخزنِ رموز و نکات تھا۔ جو اسلام کی حقانیت کی قدآدم روشن دلیل تھا جس نے ایک طرف درس و تدریس کا مشغلہ جاری رکھا اور دوسری طرف سلوکِ راہِ عرفان میں طالبین کی رہنمائی کی جس نے ایک طرف وعظ و افتا کے ذریعے رشد و ہدایت کے دریا بہائے تو دوسری طرف تصنیف و تالیف سے اسلام اور زمرۂ اہلِ سنت و جماعت کی حمایت و حفاظت کی۔ جس نے ایک طرف مدرسہ کو چار چاند لگائے تو دوسری طرف خانقاہ کے در و بام کو ذکر اللہ سے لبریز کیا۔ جس نے اپنی روحانیت کی بے پناہ قوت اور حمیت اسلام کی بے مثال طاقت کو بروئے کار لاکر حضرت سید احمد شہیدؒ جیسا روشن دل مجاہد اور غازی تیار کیا۔ جس نے ہندوستان میں اسلام و ایمان کے قیام و فروغ کے لیے ایک جاں باز جماعت کی تشکیل کی اور اسلام و ایمان کی بقا و استحکام کی خاطر مع رفقا کے شہادت سے ہم آغوش ہوکر زندگیٔ جاوید سے ہمکنار ہوا۔ اور جس کے ایمان افروز نعروں کی صدائے بازگشت آج بھی گنبدِ نیلگوں کے نیچے اقصائے ہند میں سنی جارہی ہے۔ وہ شخصیت حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ کی حقائق انگیز شخصیت ہے۔ جو اپنے زمانے کے محدثین اور مشائخ کا مرجع تھے۔ جن کا سلسلۂ تلامذہ و مسترشدین آفاق گیر ہے، جنہوں نے باوجود مسلسل علالت و نقاہت اور باوجود سیاسی انتشار اور ناسازگار حالات کے دہلی میں بیٹھ کر خمستانِ علوم و معارف

دینیہ سے تشنگانِ بادۂ توحید و سنت کو سرشار و سیراب کیا۔ جن کی ظاہری بینائی اگرچہ عالمِ شباب ہی میں جا چکی تھی لیکن ان کے دل کی حیرت انگیز روشنی نے ہزاروں دلوں کو روشن کر دیا۔ ہزاروں دل کے نابیناؤں کو بفضلِ ایزدی چشمِ بصیرت سے بہرہ ور کیا۔

اس عظیم شخصیت کے حالات میں کچھ رسالے لکھے گئے ہیں مگر سب نامکمل ہیں۔ حالاتِ عزیزی مؤلفہ رحیم بخش دہلویؒ جو کمیاب ہو گئی ہے کہیں دیکھنے کو نہ ملی تھی۔ رضا لائبریری (رام پور) میں اس کا مطالعہ کیا، بڑی مایوسی ہوئی کہ اس میں سوانح کا حق ادا نہیں کیا گیا۔ حالانکہ سوانح نگار کے پاس پورے پورے حالات بہم پہنچانے کے اس وقت کافی ذرائع موجود تھے، حیاتِ ولی کے آخر میں بھی انہیں رحیم بخش صاحب نے حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کا ذکر کیا ہے۔ اس میں تھوڑے سے حالات لکھنے اور نظم و نثر کے چند نمونے دکھانے کے بعد لکھتے ہیں:۔

"اگرچہ اس وقت آپ کے خطوط بہت سے مسودات میرے زیرِ نظر ہیں لیکن میں نے حیاتِ ولی کے طول پکڑ جانے کے خوف سے چند رقعات کا انتخاب کر کے آپ کے سامنے پیش کیا ہے۔"

خطوط کے جن مسودات کا ذکر رحیم بخش صاحب سرسری طور پر کر رہے ہیں کاش خطوط حیاتِ عزیزی کے بہت سے گوشے ہماری نظروں کے سامنے ہوتے۔

نواب صدیق حسن خاں مرحوم نے اتحاف النبلاء میں بڑی متانت اور محدثانہ و مؤرخانہ بالغ نظری کے ساتھ حضرت رحمۃ اللہ علیہ کا مختصر حال لکھا ہے۔ اس کا ترجمہ مولانا ذوالفقار احمد بھوپالی مرحوم نے الروض الممطور میں کر دیا ہے اور کچھ مزید حالات بھی آخر میں لکھے ہیں۔ مگر ان کتابوں میں عمرِ عزیز کو نوے سال بتایا ہے۔ حالانکہ حضرت رحمۃ اللہ کی عمر اسّی۸۰ سال کی ہوتی ہے ظاہر ہے کہ ۱۱۵۹ھ میں پیدا ہونے والا انسان ۱۲۳۹ھ میں اسّی۸۰ سال کا ہوگا۔ اس قسم کی سہو قلم سے پیدا ہونے والی غلطیاں اگرچہ معمولی ہوتی ہیں مگر تاریخ و سوانح کے طالب علم کو خلجان میں مبتلا کر دیتی ہیں۔

فتاویٰ شاہ عبدالعزیز مطبوعہ مجتبائی کے شروع میں حضرت رحمۃ اللہ علیہ کی برائے نام سوانح عمری ہے۔ اس کے آخر میں ہے۔ بعد حضرتِ مولانا ہر سہ برادران ایشان قائم مقام

ایشان شدند و بہ درس و تدریس مشغول گشتند الخ" یعنی حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے وصال کے بعد ان کے تینوں بھائی ان کے قائم مقام ہوئے اور آپ کی جگہ درس و تدریس میں مشغول رہے۔ حالانکہ سب سے پہلے چھوٹے بھائی شاہ عبدالغنیؒ کا انتقال ہوا، پھر ۱۲۳۰ھ میں شاہ عبدالقادرؒ دنیا سے رخصت ہوئے اور ۱۲۳۳ھ میں شاہ رفیع الدینؒ نے حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے سامنے اُن سے تقریباً چھ سال پہلے رحلت فرمائی۔ ایسی صورت میں بھلا کس طرح یہ تینوں شاہ عبدالعزیزؒ کے بعد قائم مقام ہو سکتے ہیں۔

دو ماہ کے قریب ہوئے کہ حضرت شاہ ولی اللہ اور ان کے خاندان کے دیگر اکابر کے مزارات پر حاضری کا اتفاق ہوا۔ ہنگامہ ۱۸۵۷ء میں اس قبرستان کے کتبے تک برباد ہو گئے تھے۔ بعض اہل خیر نے مسجد و احاطہ درگاہ شاہ ولی اللہ کی مرمت کا کام بڑے اہتمام سے کیا ہے۔ مزارات اکابر پر دوبارہ کتبے بھی نصب کرائے گئے ہیں۔ مگر یہ دیکھ کر افسوس اور تعجب ہوا کہ مزار شاہ عبدالعزیزؒ پر جو کتبہ ہے اس میں سن وفات موٹے قلم سے ۱۲۴۸ھ لکھا ہوا ہے۔ اس کو بھی معمولی غلطی کہہ دیجیے۔ مگر میرے نزدیک بہت بڑی غلطی ہے۔ ہم اپنے بزرگوں کے ہر ہر دور اور وفات و بعد وفات سے تاریخ کے بہت سے واقعات وابستہ رکھتے ہیں اگر اس طرح بے توجہی سے کام لیا گیا اور اہل علم نے کوئی خبر نہ لی تو ہماری ہندوستان کی ملی تاریخ پر غلط اثر پڑے گا۔

محقق شہیر مولانا حکیم سید عبدالحئی رائے بریلویؒ نے نزہۃ الخواطر جلد ۷ میں حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کا جامع تذکرہ کیا ہے اس سے مجھے بڑی رہنمائی ملی۔ میں اس وقت حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کے مکمل حالات لکھنے سے قاصر ہوں، اس کے لیے بڑی جستجو، بڑا وقت اور بڑا سفر درکار ہے، ان کی تمام تصانیف پر سیر حاصل تبصرہ کرنا، تلامذہ کی مکمل فہرست، اُن کے اجمالی حالات کے ساتھ تیار کرنا اور ہندوستان کے شخصی و درسگاہی کتب خانوں سے حضرت شاہ صاحبؒ کی نادر اور غیر مطبوعہ تحریرات کا حاصل کرنا میرے لیے دشوار ہے۔ میرا خیال تو فقط یہ تھا کہ بیاض مولانا رشید الدین خان دہلویؒ کا تعارف کراؤں۔ یہ وہی مولانا رشید الدین خان ہیں جن کے متعلق حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کا ایک کا ایک مقولہ ہے کہ "میری تقریر تو محمد اسمٰعیل نے لے لی اور تحریر رشید الدین نے۔"

اب سے تقریباً تیس سال پہلے میں دارالعلوم دیوبند میں تعلیم پاتا تھا [illegible] بیاض دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا۔ اس بیاض پر جمعیت الانصار کی مہر لگی ہوئی ہے۔ غالباً حضرت مولانا عبیداللہ سندھیؒ نے اس کو کہیں سے حاصل کیا تھا، اس بیاض میں زیادہ تر حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کی ایسی نادر تحریرات ہیں جو کسی دوسری جگہ نہیں ملیں۔ اس میں شاہ صاحبؒ کے مکتوبات بھی ہیں، فتاویٰ بھی ہیں اور کلام نظم و نثر کے بہترین شاہکار بھی۔

اس بیاض کا کچھ حصہ میں نے نقل کر لیا تھا اور یہ اطمینان تھا کہ جب بیاض رشیدی کا تعارف کرانا ہوگا اس کو دوبارہ دیکھ لوں گا۔ اب پاؤ صدی سے زیادہ عرصہ گذرنے پر کثیر التعداد کتابوں کے ذخیرے میں اس بیاض کا پتہ نہیں چلتا۔ خدا کرے کہ وہ کتب خانے میں محفوظ ہو۔ میں لیئے اس مقالے میں اپنے مقام پر اس بیاض ہی سے نقل کیے ہوئے علمی و ادبی نمونے پیش کروں گا۔ اسی بیاض کے تعارف کی خاطر شروع میں تھوڑے سے حالات اور ملفوظاتِ عزیزی بھی شامل کر دیے ہیں۔

پیدائش :

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی ۱۱۵۹ھ میں پیدا ہوئے۔ غلام حلیم تاریخی نام ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کی زوجۂ اولیٰ سے ایک صاحبزادے شیخ محمد محدثؒ تھے اور دوسری زوجہ سے چار صاحبزادے تھے جن میں سب سے بڑے شاہ عبدالعزیزؒ تھے۔

تعلیم :

حفظ قرآن کے بعد آپ نے تعلیم زیادہ تر اپنے والد ماجد سے پائی اور کچھ تعلیم حضرت شاہ محمد عاشق پھلتیؒ اور حضرت شاہ نوراللہ بڈھانویؒ سے بھی حاصل کی۔ منجانب اللہ ذہانت، ذکاوتِ غیر معمولی اور حافظہ بے نظیر عطا ہوا تھا۔ ۱۵ سال کی عمر میں اپنے والد کے سامنے ہی تمام علوم و فنون مروجہ سے فارغ ہو گئے تھے اور اسی زمانے سے پڑھانا شروع کر دیا تھا۔

بیعت :

اپنے والد ماجد سے تمام سلاسل میں بیعت ہوئے اور تھوڑے ہی عرصہ میں میدان سلوک طے کرلیا۔ ۱۶ سال کے تھے کہ والد ماجد کا سایہ سر سے اٹھ گیا۔ حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کے تمام خلفاء کی موجودگی میں آپ ہی قائم مقام اور سجادہ نشین بنائے گئے۔ اور اپنے چھوٹے بھائیوں مولانا شاہ رفیع الدین۔ شاہ عبدالقادر اور شاہ عبدالغنیؒ کی تعلیم و تربیت کا کام آپ نے بحسن و خوبی انجام دیا۔

نکاح و اولاد :

آپ کا نکاح شاہ نور اللہ صدیقی بڈھانوی کی صاحبزادی سے ہوا جن سے ایک صاحبزادے اور تین صاحبزادیاں پیدا ہوئیں۔ صاحبزادے کا نام احمد تھا جیسا کہ بیاض رشیدی کے ایک مکتوب سے ظاہر ہوتا ہے۔ ان کا انتقال بچپن میں ہی ہوگیا تھا۔ سب سے بڑی صاحبزادی حضرت شاہ رفیع الدینؒ کے بڑے صاحبزادے مولانا محمد عیسیٰؒ کے عقد نکاح میں آئیں۔ دوسری صاحبزادی شیخ محمد افضل فاروقیؒ سے منسوب ہوئیں جن کے دو صاحبزادے حضرت شاہ محمد اسحاقؒ اور شاہ محمد یعقوب تھے۔ اول الذکر ۱۱۹۷ھ میں اور ثانی الذکر ۱۲۰۰ھ میں پیدا ہوئے۔ تیسری صاحبزادی حضرت مولانا محمد عبدالحی بڈھانویؒ کی زوجہ تھیں۔ مولانا عبدالحی، شاہ نور اللہ کے پوتے اور شاہ عبدالعزیزؒ کی زوجہ محترمہ کے حقیقی بھتیجے تھے۔ غالباً ان تیسری صاحبزادی سے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ مولانا عبدالحیؒ کی ایک دوسری زوجہ کے بطن سے مولانا عبدالقیوم محدث بڈھانویؒ ثم بھوپالی تھے۔ مولانا عبدالقیومؒ کی ایک صاحبزادی تھیں اور دو صاحبزادے مولانا محمد یوسف صاحب اور میاں محمد ابراہیم صاحب تھے۔ مولانا ذوالفقار احمد صاحب بھوپالیؒ الروض الممطور میں لکھتے ہیں کہ "مولوی محمد یوسف مثل اپنے والد ماجد مرحوم کے درس حدیث میں مشغول رہتے ہیں۔ نہایت صالح و متدین ہیں"

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا ایک الہام یا آگاہی :

نواب صدیق حسن خان مرحوم نے اتحاف النبلاء میں بحوالۂ قول جلی (سوانح شاہ ولی اللہ مرتبہ شاہ محمد عاشق پھلتیؒ) لکھا ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ نے فرمایا کہ "ہمیں آگاہی دی گئی ھے کہ یہ لڑکے جو ہمیں لطف الٰہی سے عطا ہوئے ہیں سب سعید ہیں۔ ایک نوع کی ملکیت ان میں ظہور کرے گی۔ تدبیرِ غیب تقاضا کرتی ہے کہ دو شخص اور پیدا ہوں جو مکہ و مدینہ میں سالہا احیائے علومِ دین کریں اور حجاز میں وطن اختیار کریں۔ ماں کی طرف سے ان کا نسب ہم تک پہنچے گا۔ آدمی زادہ ماں کی طرف میلان طبعی رکھتا ہے اس لیے اپنے ماں کے وطن کو چھوڑ کر کسی اور جگہ منتقل ہو۔ یہ بات بظاہر بالطبع مشکل نظر آتی ہے مگر ہاں قسر قاسر سے (کسی سبب سے) ایسی صورت پیدا ہو جائے تو دوسری بات ہے۔" ان ملفوظ کو تحریر کرنے کے بعد نواب صاحب فرماتے ہیں کہ "مصداق اس آگاہی کا وجود ہر دو نواسۂ شاہ عبدالعزیز دہلوی قدس سرہٗ کا ہے۔ یعنی مولانا محمد اسحٰق (۱۲۶۲ھ) اور مولانا محمد یعقوب (م ۱۲۸۲ھ) رحمہما اللہ تعالیٰ کہ دہلی سے (۱۲۵۸ھ میں) ہجرت کر کے ان دونوں نے مکہ مکرمہ میں اقامت فرمائی اور سالہا اہل عرب و عجم میں روایتِ حدیث شریف کو زندہ کیا۔ لیکن اس وقت میں یہ خاندانِ علم و کمال تمامہا ختم ہو گیا اور کوئی ان میں سے باقی نہ رہا۔ یفعل اللہ ما یشاءُ و یحکم ما یرید۔

تصانیف :

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کی تصنیفات و تالیفات میں جو کتب شائع ہو چکی ہیں یا جو موجود اور مشہور ہیں اُن کی فہرست نزہت الخواطر اور حیات ولی سے اخذ کر کے پیش کرتا ہوں۔ ان کے علاوہ بھی نہ معلوم کتنا ذخیرۂ تالیف اور ہو گا جو انقلابِ زمانہ اور غفلت سے تلف ہو گیا۔ ان کتابوں میں سے ہر ایک پر ایک مفصل تبصرہ کیا جا سکتا ہے۔ فی الحال فہرست اور اجمالی تعارف پر اکتفا کرتا ہوں۔

۱۔ آپ کی مشہور تالیف تفسیر فتح العزیز ہے جو کہ تفسیر عزیزی بھی کہلاتی ہے اس تفسیر کو ایسے زمانے میں جبکہ مرض کا شدید غلبہ تھا املا لکھوایا۔ یہ کئی جلدوں میں تھی۔ اس کا اکثر حصہ ہنگامہ ۱۸۵۷ء میں ضائع ہو گیا ۱۰ اور آخر کی صرف دو جلدیں دستیاب ہوئیں جو شائع ہو چکی ہیں۔ اور ان کا اردو میں بھی ہو گیا ہے۔

۲۔ تحفہ اثنا عشریہ، علم کلام میں ایک زبردست علمی شاہکار ہے۔ فرقہ امامیہ کی پوری حقیقت اور ان کے اعتراضات کے مکمل جوابات ہیں۔ قرآن و حدیث کے مطالب اور تاریخ و سیرت کے بہت سے گوشے اس کے مطالعے سے کھلتے ہیں۔ لفظ چراغ سے اس کی تصنیف کا سال ۱۲۰۴ھ نکلتا ہے۔ مولوی اسلم مدراسیؒ نے اس کا عربی میں بھی ترجمہ کر دیا تھا۔ خود حضرت شاہ صاحبؒ نے ایک مجلس میں تحفۂ اثنا عشریہ کا ذکر آنے پر فرمایا کہ ایک شخص نے اس کتاب کے بارے میں لکھا تھا۔ "ھذا کتاب لو بیاع ذھبا لکان البائع فصونا" (یعنی یہ کتاب ایسی ہے کہ اگر اس کے برابر سونا لے کر اس کو فروخت کیا جائے تو بھی بیچنے والا خسارہ میں رہے گا)

۳۔ بُستان المحدثین۔ اس میں کتب احادیث کی فہرست ہے اور ان کے مدونین و جامعین کے شرح و بسط کے ساتھ سوانح ہیں۔ بے نظیر کتاب ہے۔ اس کا اردو ترجمہ مولانا عبدالسمیع صاحب دیوبندی مدرس دارالعلوم دیوبند نے کیا تھا۔

۴۔ عجالۂ نافعہ۔ فارسی زبان میں اصول حدیث میں مختصر اور بڑا جامع و نافع رسالہ ہے۔ اس کا بھی اردو میں ترجمہ ہو گیا ہے۔

۵۔ میزان البلاغۃ۔ علم البلاغت میں ایک عمدہ متن ہے۔ اس کو غالباً سب سے پہلے قاضی بشیرالدین صدیقی میرٹھی مرحوم نے مفتی عزیزالرحمن صاحب نقشبندی دیوبندی کے حاشیے کے ساتھ اپنے مطبع مجتبائی میرٹھ میں شائع کیا۔

۶۔ میزان الکلام۔ علم کلام میں ایک عمدہ متن ہے۔

۷۔ مراۃ الجلیل فی مسئلۃ التفضیل۔ یہ رسالہ علیحدہ بھی شائع ہوا ہے اور فتاوی جلد دوم میں شامل ہو کر بھی۔

۸۔ عزیز الاقتباس۔ خلفائے راشدین کے فضائل میں ہے۔

۹۔ سر الشہادتین۔ شہادتِ حضرات حسنین رضی اللہ عنہما کے بارے میں ایک مختصر رسالہ ہے مگر حضرت شاہ صاحبؒ کی طرف اس کی نسبت میں بعض حضرات کو کلام ہے۔

۱۰۔ رسالۃ فی الانساب (۱۱) رسالۃ فی الرویا۔

۱۲۔ حواشی جو منطق اور حکمت کی کئی کتابوں پر ہیں۔

۱۳۔ فتاویٰ۔ یہ مطبع مجتبائی میں ۲ جلدوں میں شائع ہو چکے ہیں۔ ان کا اردو میں بھی ترجمہ ہو چکا ہے۔ فتاویٰ کے ساتھ پانچ چھ رسائل بھی شائع ہوئے ہیں۔ جو بہت اہم ہیں۔

۱۴۔ ان کتابوں کے ساتھ ساتھ حاجی رفیع الدین فاروقی مرادآبادیؒ کی کتاب "اسولہ واجوبہ" کے جوابات کو بھی حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کی تالیف قرار دینا چاہیے۔ یہ کتاب جہاں تک مجھے معلوم ہے کتب خانۂ دارالعلوم ندوہ لکھنو، کتب خانہ مظاہر علوم سہارن پور، کتب خانہ مسلم یونیورسٹی علی گڑھ اور کتب خانہ قاضی شہر رامپور میں موجود ہے حاجی رفیع الدین مرادآبادیؒ اس کتاب کے دیباچے میں جو تحریر فرماتے ہیں اس کا ترجمہ ذیل میں درج ہے۔ اصل عبارت دیباچہ کتب خانہ دارالعلوم ندوہ سے نقل کی گئی تھی۔

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ سلمہ اللہ تعالیٰ نے ایک تفسیر تالیف کی ہے جس کا نام فتح العزیز ہے۔ ابھی اس کے مسودات بیاض کی منزل تک نہیں پہنچے ہیں۔ یوں تو اس میں تحقیقات بسیار اور لطائف بے شمار تحریر ہوئے ہیں۔ مگر پانچ علوم پر خصوصیت سے بحث کی گئی ہے۔

۱۔ سورتوں کے عنوانات اور اجمالاً ہر سورت کا مضمون۔

۲۔ بعض آیات کا بعض کے ساتھ ربط۔

۳۔ تمشابہات القرآن۔

۴۔ قصص واحکام قرآنی کے اسرار۔

۵۔ لطائف نظم قرآن۔

مصنف سلمہ اللہ تعالیٰ نے ان پانچوں علوم کے نمونے جستہ جستہ فقیر محمد رفیع الدین مرادآبادیؒ کو مکاتیب کی شکل میں روانہ فرمائے۔ ان کے بارے میں حضرتؒ نے جو سوالات کیے۔ ان کے جوابات بھی مکاتیب میں لکھے۔ میں نے ان سب کو ان اوراق میں جمع کردیا۔ واللہ ولی التوفیق۔

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ کی مجالس درس قرآن:

مشہور مناظر و متکلم حضرت مولانا حیدر علی فیض آبادیؒ نے اپنی معرکۃ الآراکتاب ازالۃ الغین کے مقالہ تاسعہ میں حضرت شاہ صاحبؒ کی مجالس درس قرآن کا آنکھوں دیکھا حال تحریر فرمایا ہے ذیل میں اس کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔

"علامہ دہلویؒ (حضرت شاہ عبدالعزیزؒ) روز جمعہ اور سہ شنبہ کو مجلس وعظ اپنے مدرسے میں منعقد کرتے تھے۔ مشتاقین وہاں جمع ہوتے تھے اور یہ وعظ کافی دیر تک ہوتا تھا۔ علماء کرام تفسیر بیضاوی، تفسیر نیشاپوری، کشاف اور دیگر تفاسیر مشکلہ اپنے سامنے رکھتے تھے اور سمجھ لیتے تھے کہ اس وقت فلاں اشکال کو فلاں تفسیر میں سے حل فرمایا گیا ہے۔ میں نے بارہا یہ دیکھا کہ جس شخص کے دل میں کسی قسم کا اعتراض یا شبہ آتا تھا آپ کی تقریر سے وہ شخص مطمئن ہوجاتا تھا۔ آپ کے فیض صحبت سے اکثر غیر مسلم مسلمان ہوجاتے اور شک و تردد والے قوت اعتقاد حاصل کرتے تھے۔ فقیر کا سفر دہلی، محض تحقیق مذہب کے سلسلے میں ہوا تھا جب اس بابرکت صحبت میں التزام کے ساتھ رہا تو تمام شکوک واوہام ختم ہوگئے۔"

آخری درس قرآن:

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ کا آخری درس قرآن اِعْدِلُوْا هُوَ اَقْرَبُ لِلتَّقْوٰی

کی تفسیر تھا۔ یہاں سے حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے تفسیر شروع کی اور ان کا آخری درس
اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ کی تفسیر تھا۔ اس سے آگے کو حضرت شاہ محمد اسحٰقؒ نے سلسلہ
جاری رکھا۔

حلیہ مبارکہ:

سید عبدالحی نزہۃ الخواطر میں تحریر فرماتے ہیں۔ آپ طویل القامت،
نحیف البدن، گندم گوں، کشادہ چشم اور گھنی داڑھی والے تھے۔

مسلک:

علامہ نواب صدیق حسن مرحوم نے اتحاف النبلاء میں لکھا ہے کہ ان کا (شاہ عبدالعزیزؒ کا)
خاندان علوم حدیث و فقہ حنفی کا ہے۔ خدمت اس علم شریف کی جیسی اس خاندان سے وجود
میں آئی ویسی اس ملک میں اور کسی سے معلوم و معہود نہیں ہے۔

مرض وفات اور وفات:

نزہۃ الخواطر میں ہے کہ ۲۵ سال کی عمر سے آپ کو گوناگوں امراض لاحق ہو گئے تھے
جس کی وجہ سے بینائی پر اثر پڑ گیا تھا۔ بنابریں مدرسہ کا کام شاہ رفیع الدین اور شاہ عبدالقادر
کے سپرد کر دیا تھا، زیادہ تر یہی دونوں بھائی طلبا کو درس دیتے تھے۔ خود بھی درس حدیث
دیتے تھے مگر کم۔ تصنیف و تالیف، فتویٰ و وعظ کا کام برابر جاری رہا۔ آپ کے مواعظ حقائق
قرآن سے لبریز ہوتے تھے۔ آخری عمر میں تو آپ اس قابل بھی نہ رہے تھے کہ مجلس میں ایک
ساعت بیٹھ سکیں۔ دونوں مدرسوں (قدیم و جدید) کے درمیان دو آدمیوں کے سہارے
چلا کرتے تھے اور اس وقت میں چلتے چلتے بھی درس دیتے تھے اور رشد و ہدایت کی طرف
رہنمائی بھی اپنے کلمات طیبات کے ذریعے فرماتے جاتے تھے۔ عصر اور مغرب کے درمیانی
وقت میں اس سڑک تک (دو آدمیوں کے سہارے) تشریف لے جاتے تھے جو مدرسہ اور جامع

جامع مسجد دہلی کے درمیان میں ہے۔ لوگ اس وقت آپ کے قدوم کے منتظر رہتے تھے اور اپنے سوالات اور علمی اشکالات آپ کی خدمت میں پیش کر کے حل کرتے تھے۔ بھوک اتنی کم ہوگئی تھی کہ کئی کئی دن کے بعد غذا استعمال فرماتے تھے۔

بالآخر وہ زمانہ بھی قریب آگیا جب کہ یہ ہندوستان کا آفتابِ علم غروب ہونے والا ہے۔ مولوی سید احمد علی بجنوری ؒ نے (یہ بجنور غالباً لکھنو کے قریب ایک قصبہ ہے) حضرت شاہ صاحبؒ کے حالات ایک خط میں لکھے ہیں۔ الروض الممطور میں یہ خط درج ہے۔ میں اس خط کا ضروری حصہ یہاں نقل کرتا ہوں کہیں کہیں مفہوم باقی رکھتے ہوئے الفاظ میں تغیر کر دیا گیا ہے۔

ماہ رجب ۱۲۳۹ھ سے حضرت رحمۃ اللہ علیہ چار دن کے بعد آدھ پاؤ بلکہ اس سے بھی کم غذا استعمال کرتے تھے۔ تمام رات بخار رہتا تھا اور انجریہ سوداویہ چڑھتے تھے، آخر رمضان میں طبیعت پہلے سے زیادہ ناساز ہوئی، چنانچہ ۲۹ رمضان کو شام کے وقت غشی طاری ہوگئی۔ ہاتھ پاؤں سرد ہوگئے۔ تمام گھر میں ایک عجیب قیامت برپا ہوگئی۔ اس کی صبح کو عید تھی اور پیر کا دن تھا، کچھ افاقہ ہوگیا۔ موافق معمول کے پہر دن چڑھے نماز عید ادا کی گئی کہ مسجد اکبر آبادی میں پھر غشی طاری ہوگئی۔ گھر آگئے طبیعت بے مزہ رہی۔ منگل کا دن درس کا دن تھا۔ بکمال بے طاقتی منبر پر کچھ دیر آرام کر کے آیۂ اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقَاکُمْ کی تفسیر پر اکتفا کیا، پھر کچھ دن باقی رہا تھا کہ فقیر کو طلب فرمایا وصیت نامہ لکھوایا جس میں فرش اور ذاتی کتب خاص کو مولانا محمد اسحٰقؒ کے نام ہبہ کیا۔ اس کے علاوہ اور بھی امور تھے۔ فقیر کی مہر اس پر ثبت کرائی اور مولانا رشید الدین خان وغیرہ کو طلب کر کے ان کی مہریں بھی ثبت کرائیں۔ اس دن حال بہت متغیر تھا۔

مغرب سے پہلے پہلے اجازت نامۂ احادیث اپنی مہر خاص سے مزین فرما کر اس فقیر کو عنایت فرمایا۔ اب طعام بالکلیہ موقوف ہوا۔ بدھ کا دن آیا اطباء نے جمع ہو کر ایک نسخہ تجویز کیا۔ اس کو استعمال فرمایا۔ پہر دن چڑھے نماز اشراق ادا کی۔ بعدہٗ اجابت ہوئی۔ دوا بعینہٖ نکلی۔ معلوم ہوا کہ قوت ماسکہ زائل ہوگئی ہے۔ بدھ کے دن شام کو بہت لوگ مرید ہوئے۔

جمعرات کے دن حالت اور متغیر ہوگئی، جمعہ کے دن چاہا کہ معمول کے مطابق مدرسہ میں آئیں نہ آسکے۔ درس موقوف ہوا مگر زیارت سب کو میسر ہوئی۔ شام کے وقت تفسیر مدارک اور تفسیر رحمانی سنی بعدہٗ کچھ نقدی برادر زادوں اور ذوی الارحام حاضر و غائب پر تقسیم فرمائی۔ قصہ مختصر یہ کہ کہ شنبہ کے دن سکوت طاری ہوا اور نبض مختل ہوگئی، مگر نماز پنجگانہ اشارے سے پڑھتے تھے۔ دوپہر کو قرآن مجید طلب فرماکر مولانا محمد اسحٰق صاحبؒ سے سورۂ ق ایک رکوع تک سنی بعدہٗ فرمایا کہ قَالَتِ الْاَعْرَابُ اٰمَنَّا سے کہ ابتداء درس کی ہوگی۔ پڑھو۔ بعد مغرب غلام حسین نامی ایک صاحب مرید ہوئے۔ نماز عشاء کی پڑھی۔ چار گھڑی رات باقی رہی تھی کہ اضطراب لاحق ہوا۔ دو پنکھے دائیں اور بائیں جھلے جارہے تھے۔ آرام کسی صورت نہ تھا۔ برخلاف عادت کے سوائے تہبند کے باقی تمام کپڑے بدن سے اتار ڈالے تھے۔ بعد نماز فجر، شوال کو اتوار کے دن داعیٔ اجل کو لبیک کہا اور اس دار فانی سے عالم جاودانی کی طرف انتقال فرمایا۔ اِنَّا لِلّٰهِ وَاِنَّا اِلَيْهِ رَاجِعُوْن۔ تمام شہر دہلی پر ایک ایسی حالت واقع ہوئی کہ بیان میں نہیں آسکتی۔

کمالاتِ عزیزی میں بھی آپ کے آخری وقت کے کچھ حالات نواب مبارک علی خان مرحومؒ بنبیرۂ نواب خیر اندیش خان مرحوم نے لکھے ہیں، اس میں ہے کہ آخری وعظ کے دن آپ نے مشہور مصرع "من نیز حاضر میشوم تصویر جاناں در بغل" کو تصرف کرکے یوں پڑھا "من نیز حاضر میشوم تفسیر قرآن در بغل"۔

آپ نے وصیت فرمائی تھی کہ میرا کفن اسی کپڑے کا ہو جو میں پہنتا ہوں۔ آپ کا کرتہ ادھوتر کا اور پائجامہ گاڑھے کا ہوتا تھا۔ اور یہ بھی فرمایا کہ نماز جنازہ شہر کے باہر ہو۔ چنانچہ ایسا ہی کیا گیا۔ کمالاتِ عزیزی میں ہے کہ آپ کے جنازے کی نماز پچپن مرتبہ ہوئی۔

مزار:

اپنے والد ماجد حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلوی کے پہلو میں مہندیوں میں دفن ہوئے۔